حکمتِ اقبال

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور فلسفہ سیاست

ریاست کی تعریف

انسانی افراد جب کسی نصب العین کے ماتحت ایک آزاد جماعت کی صورت میں منظم ہو کر اپنی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں تو ہم ان کے اس عمل کو سیاست کہتے ہیں اور ان کی منظم جماعت کو ریاست کا نام دیتے ہیں۔ بعض وقت ایک جماعت جو کسی خاص نصب العین پر متفق ہو چکی ہو ایسی مشکلات سے دوچار ہوتی ہے کہ وہ ایک ریاست نہیں بن سکتی اور کسی دوسری ریاست کے ماتحت غلامی کی حالت میں رہنے پر مجبور ہوتی ہے لیکن ایسی نظریاتی جماعت ہمیشہ آزاد ہونے اور ایک ریاست کی صورت میں آنے کی کوشش کرتی رہتی ہے اور اگر جماعت کا نصب العین جاندار ہو تو یہ کوشش زود یا بدیر کامیاب ہوتی ہے۔ تاہم جب تک یہ کوشش کامیاب نہیں ہوتی ان کی تنظیم بھی، جو ان کے مشترک نصب العین کی وجہ سے کسی نہ کسی درجہ میں ضرور موجود رہتی ہے، کامل نہیں ہوتی۔ اس قسم کی نظریاتی جماعت بھی بالقوہ ایک ریاست ہی ہوتی ہے کیونکہ اس پر بھی ایک ریاست کے قدرتی قوانینِ زندگی صادق آتے ہیں۔

سیاست کی بنیاد خدا کی محبّت کا فطری جذبہ ہے

انسان کے دوسرے تمام اعمال کی طرح انسان کے سیاسی عمل کا باعث بھی یہی حقیقت ہے کہ انسانی خودی کی اصل خدا کی محبّت کا ایک طاقتور جذبہ ہے اور اس کے سوائے اور کچھ نہیں۔ خدا کی محبّت کا یہی فطری جذبہ وہ قوّت ہے جو نصب العین کی محبّت کی منظّم انسانی جماعتوں یا ریاستوں کو وجود میں لاتی اور قائم رکھتی ہے۔ اگرچہ انسان کا جذبۂ محبّت خدا کے لیے ہے اور خدا کی محبّت سے ہی مکمل اور مستقل تشفی پا

سکتا ہے، تاہم جب کوئی فردِ انسانی اپنے غلط قسم کے تعلیمی اور اخلاقی ماحول کی وجہ سے خدا کی صفاتِ حسن و کمال کا ذاتی احساس نہ کر سکے تو پھر بھی اس کی محبت کا یہ طاقت ور جذبہ رُکتا نہیں، بلکہ کسی غلط یا ناقص نصبُ العین کی راہ سے اپنا اظہار پانے لگتا ہے۔ اس صورت میں وہ اپنے جذبۂ محبت کو پوری طرح مطمئن کرنے کے لیے اس نصبُ العین کی طرف ان تمام صفاتِ حسن وکمال کو منسوب کر دیتا ہے جو دراصل خدا کی صفات ہیں۔ اس طرح سے ایک غلط نصب العین انسان کے دل میں خدا کا قائم مقام بنتا ہے۔ ہر غلط نصبُ العین کا چاہنے والا ہمیشہ ایک ایسے غلط تعلیمی اور اخلاقی ماحول کی پیداوار ہوتا ہے جو اس خاص نصبُ العین کی محبت کو پیدا کر سکتا ہے۔ اگر حالات ساز گار ہوں تو ایک نصب العین کو چاہنے والے افراد کی تعداد بڑھتی رہتی ہے، یہاں تک کہ اپنی اس حد کو پہنچ جاتی ہے جو نصب العین کی فطرت اور خصوصیات نے معین کر رکھی ہو۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اپنے نصب العین کی محبت اپنے تعلیمی اور نفسیاتی ورثہ کے طور پر دیتے ہیں اور ان کی اولاد میں متواتر اضافہ ہوتا رہتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ غیروں کو بھی اپنے نصب العین کی خوبی اور عمدگی کا قائل کر کے اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ان کی ایک بڑی جماعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس جماعت کے افراد اپنے مشترک نصب العین کی محبت کی وجہ سے ایک دوسرے کے لیے بھی ایک کشش محسوس کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنا چاہتے ہیں۔ اتحاد کی یہ خواہش ان کو ایک قائد کے ماتحت منظم کر دیتی ہے، کیونکہ دلوں کا اتحاد تنظیم کے بغیر کوئی ٹھوس خارجی اور مرئی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ اس قسم کی ایک منظم جماعت کو ہی ہم ایک ریاست یا مملکت یا سٹیٹ کا نام دیتے ہیں۔

جماعتی نظم کا آغاز

کسی نصبُ العینی جماعت کا منظم ہونا اس کی زندگی کا کوئی ایسا مرحلہ نہیں ہوتا جو جماعت کے وجود میں آنے کے بعد کسی مناسب وقت پر نمودار ہوتا ہو، بلکہ جماعت کی تنظیم جماعت کے ظہور پذیر ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے۔ جماعت اور تنظیم ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی جماعت کی تنظیم اس قدر ناقص ہو کہ اسے تنظیم شمار نہ کیا جا سکے۔ ایک ہی نصب العین کو چاہنے والے دو افراد کی جماعت بھی تنظیم کے بغیر نہیں ہوتی، کیونکہ دونوں میں سے ایک دوسرے کو نصب العین کی

معرفت اور محبت میں اپنے آپ سے بہتر اور برتر سمجھتا ہے اور اپنا قائد تسلیم کرتا ہے۔ ہر نصب العینی جماعت پیدا ہوتے ہی منظم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد ممکن حد تک ترقی کرتی رہتی ہے اور اس کی تنظیم بھی اس کی توسیع کے ساتھ اس کے افراد کی محبت کی شدت یا قوت کے مطابق ترقی یافتہ اور پیچیدہ ہوتی جاتی ہے تاہم جب تک ایک منظم جماعت کی تنظیم افراد کی پوری زندگی کو ضبط میں لانے کے لیے آزاد نہ ہو اور اس کو فی الواقع ضبط میں نہ لائے اُس وقت تک وہ ایک ریاست نہیں کہلاتی۔

ریاست کی قوّتِ حیات

خدا یا خدا کے قائم مقام غلط تصوّر کی محبت مملکت کی قوّتِ حیات یا روح یا زندگی ہے جس کے بغیر وہ مرجاتی ہے۔ اگر ایک جاندار کے جسم سے قوّتِ حیات رخصت ہو جائے تو وہ اسی وقت مرجاتا ہے۔ اسی طرح سے اگر کسی مملکت کا نصب العین کسی وقت غائب ہو جائے تو ضروری ہے کہ وہ مملکت اپنے وظائف کے تمام شعبوں کے سمیت اسی وقت ختم ہو جائے۔ جس طرح سے خون کا دورہ ایک جاندار کے جسم کے کونے کونے کو قوت بہم پہنچاتا اور اپنے وظائف کو انجام دینے کے لیے زندہ رکھتا ہے اسی طرح سے ریاست کے نصبُ العین کی محبّت اس کے مختلف محکموں کو زندہ اور فعال رکھتی ہے مملکت کے افراد میں نصب العین کی محبّت جس قدر کمزور ہوتی ہے اسی قدر مملکت بھی کمزور، غیر متحد اور غیر منظم ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ایک منظم انسانی جماعت کے افراد جس قدر زیادہ اپنے نصبُ العین سے محبت رکھتے ہوں اسی قدر زیادہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بھی محبّت رکھتے ہیں اور اسی قدر زیادہ ان کی جماعت زندہ، صحت مند، طاقت ور، متحد اور منظم ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہر مملکت اپنے تمام ذرائع تعلیم و تربیت کو جن میں اسکول، کالج، یونیورسٹی، پریس، پلیٹ فارم، مطبوعات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن شامل ہیں، اپنے نصب العین کی محبت کو مخالف تصورات کی مخالفانہ محبت سے بچانے اور ترقی دے کر درجۂ کمال پر پہنچانے کے لیے کام میں لاتی ہے۔ ہر ریاست اپنے نصب العین کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نصب العین کے مطابق نہ صرف اپنا مخصوص تعلیمی نظام برپا کرتی ہے بلکہ اپنے مخصوص سیاسی، قانونی، اقتصادی، اخلاقی، اطلاعاتی، تجارتی، صنعتی، مالیاتی اور فوجی نظامات بھی قائم کرتی ہے۔ اِن تصریحات کا حاصل یہ ہے کہ جو قوّت ایک ریاست کو پیدا کرتی ہے، اسے متحد اور منظم کرتی ہے، اس کے تمام اعمال و افعال

کی نوعیت اور سمت مقرر کرتی ہے اور اسے زندہ، قائم اور ترقی پذیر رکھتی ہے' وہ خدا یا خدا کے کسی قائم مقام غلط تصور کی محبت ہوتی ہے۔ اور جس قدر اور جب تک یہ محبت طاقت ور ہوتی ہے اسی قدر اور اس وقت تک وہ ریاست بھی ترقی پذیر' طاقت ور' متحد اور منظم ہوتی ہے۔

خودی کا ذوقِ انجمن آرائی

ایک فردِ انسانی کی زندگی اس کی اپنی ذات میں منحصر ہوتی ہے۔ وہ ہر حالت میں دوسرے افراد سے الگ تھلگ اور منفرد زندگی بسر کرتا ہے اور اپنی انفرادیت کو قائم رکھتا ہے۔ اس کے جذبات اور محسوسات، اس کے فیصلے اور عزائم، جو اس کو عمل پر آمادہ کرتے ہیں اس کے اپنے ہی دل میں پیدا ہوتے ہیں اور جب تک وہ اپنے قول یا فعل میں ان کا اظہار نہ کرے اس کے اپنے دل میں رہتے ہیں۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنے فیصلے کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے پوری طرح سے آزاد اور خود مختار ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنی آزادی اور خود مختاری کی پوری پوری نگہبانی کرتا ہے اور اگر کوئی اور آدمی ان میں دخل انداز ہونا چاہے تو پوری قوت سے اس کی مخالفت کرتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس کا سبب کیا ہے کہ وہ ایسے افراد کی جماعت کے ساتھ مل کر رہنے اور کام کرنے کو تیار ہو جاتا ہے جو اسی کے نصب العین کو چاہتے ہوں اور جماعت کی عائد کی ہوئی بندشوں اور رکاوٹوں کو قبول کرتا ہے اور اس کے جاری کیے ہوئے قوانین و ضوابط کی پابندی کرتا ہے اور اس طرح سے اپنی انفرادیت' آزادی اور خود مختاری کو اس جماعت کی انفرادیت کی خاطر قربان کرتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ مصلحتاً یا مجبوراً ایسا کرتا ہے' کیونکہ ایسا کرنے سے وہ جماعت سے اعانت اور قوت حاصل کرتا ہے۔ وہ بہت سے ایسے خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے جو تنہا اور الگ تھلگ زندگی بسر کرنے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اور اپنے نصب العین کے لیے بہتر اور زیادہ کامیاب جدوجہد کر سکتا ہے۔ لیکن اقبال ہمیں بتاتا ہے کہ اس کا سبب نہ کوئی مصلحت ہے نہ مجبوری' نہ کوئی خوف نہ امید' نہ دور بینی نہ مآل اندیشی' نہ جلبِ منفعت نہ طلبِ اعانت، نہ تمنائے قوت اور نہ مقصدِ حفاظت، بلکہ اس کا سبب فقط یہ ہے کہ انسانی خودی کی فطرت اس قسم کی ہے کہ وہ دوسروں سے الگ تھلگ رہنے کے باوجود محفل سازی اور انجمن آرائی کا ذوق رکھتی ہے اور اس ذوق کو مطمئن کرنے سے جو فوائد اسے حاصل

ہوتے ہیں وہ محض ضمنی یا اتفاقی ہیں جو خودی کا اوّلین مقصود نہیں ہوتے۔ چونکہ خودی کی حقیقت فقط خدا کی محبّت کا ایک فطری جذبہ ہے اور خودی کی محفل آرائی اس کی فطرت کا ہی ایک تقاضا ہے صاف ظاہر ہے کہ خودی کا ذوقِ محفل آرائی اسی جذبۂ محبّت کا ایک پہلو ہے۔ دوسرے لفظوں میں خدا کی محبّت کے فطری جذبہ کا تقاضا نہ صرف یہ ہے کہ خودی اپنی جُداگانہ منحصر بخود زندگی کو قائم رکھے بلکہ یہ بھی ہے کہ اس غرض کے لیے دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرے۔ یہی وجہ ہے کہ خودی کے ذوقِ محفل آرائی کے پیچھے نصب العین کی محبّت کا جذبہ کام کر رہا ہوتا ہے اور اس ذوق کی تسکین سے جو جماعت وجود میں آتی ہے اس کی بنیاد نصب العین کی محبّت ہوتی ہے اور وہ ایک نصب العینی جماعت ہوتی ہے۔ جماعتی زندگی کے بغیر خودی اپنے جذبۂ محبت کی مکمل تشفی حاصل نہیں کر سکتی اور نہ ہی اپنے کمال کو پہنچ سکتی ہے۔

زندگی انجمن آرا و نگہدارِ خود است
اے کہ با قافلہ ئے، بے ہمہ شو با ہمہ رو

اپنے جذبۂ محبّت کی تکمیل اور تشفی چاہنے والے خود شناس لوگوں کا کام یہی ہے کہ وہ بیک وقت دوسروں سے الگ بھی رہتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ بھی۔

بروں ز انجمنے درمیان انجمنے
بخلوت اند و لے آنچناں کہ با ہمہ اند

فرد کی تکمیل کے لیے جماعتی زندگی کی ضرورت

فرد کی ساری تگ و دو کا مقصود بے شک اس کی اپنی انفرادیت ہی کی تکمیل ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ جب تک فرد اپنی انفرادیت کو جماعت کی انفرادیت میں گم نہ کرے اس کی اپنی انفرادیت کی تکمیل ممکن نہیں ہوتی۔ اگر فرد کو جماعت سے الگ کر دیا جائے تو خود فرد کی حیثیت سے بھی اس کی ہستی ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ ایک لہر اگر دریا میں رہے تو لہر ہے اور دریا سے باہر نکل آئے تو کچھ بھی نہیں رہتی۔

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

جس طرح سے ایک لہر صرف دریا میں ہی دیکھی جا سکتی ہے ایک فرد جماعت میں ہی دیکھا جا سکتا ہے۔

جماعت کے باہر اس کی انفرادیت کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اگر ایک پھول کی ضرورت ہو تو اس کو چمن میں سے توڑا جا سکتا ہے جہاں باقی پھولوں کے ساتھ مل کر اس کی آبیاری اور نشوونما ہوتی ہے۔ فرد کی خودی کی فطرت تنہائی پسند ضرور ہے کیونکہ وہ فقط اپنی ہی آرزوؤں کی دنیا میں رہتی ہے لیکن اس کے باوجود اس کی تنہائی پسند فطرت کے تقاضے فقط جماعت سازی یا انجمن آرائی کے ذریعہ سے ہی پورے ہو سکتے ہیں۔

در جماعت فرد را بینیم ما
از چمن او را چو گل چینیم ما
فطرتش وارفتۂ یکتائی است
حفظِ او از انجمن آرائی است

اسی بنا پر اقبال مسلمان کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی جماعت سے الگ نہ ہو، بلکہ جماعت کے ساتھ مل کر رہے ورنہ اس میں اس کا اپنا اور جماعت دونوں کا زیاں ہے۔ انحطاط کے اس دور میں مسلمانوں کی جماعت میں اچھے راہ نماؤں کی کمی ہی نہیں بلکہ راہ پیماؤں کے ضبط اور نظم کا فقدان بھی ہے۔ ہم زیادہ دیر تک کسی راہ نما کے پیچھے نہیں چل سکتے اور جلد ہی اس کی معمولی اور قابلِ درگزر فروگذاشتوں یا کوتاہیوں کی بنا پر اس سے بگڑ جاتے ہیں اور جماعت کی تنظیم سے الگ ہو جاتے ہیں اور ایک مقابل کی تنظیم قائم کر لیتے ہیں اور اس طرح سے ملت کے انتشار اور ضعف کا سبب بنتے ہیں۔ حالانکہ اگر ہم جماعت میں رہ کر جماعت کے اتفاق اور اتحاد کو قائم رکھیں اور اس کی تنظیم کو انتشار سے بچائیں تو جماعت اپنے قائد کے ماتحت جو غلطیاں کرے گی اپنی تنظیم اور اس سے پیدا ہونے والی قوت کی وجہ سے بآسانی ان کی تلافی بھی کرے گی اور اپنے اتحاد کی وجہ سے ترقی کے راستہ پر گامزن بھی رہے گی۔ جو مسلمان فرد جماعت سے بددل ہو کر یا اس کی تنظیم یا قیادت سے مایوس یا ناخوش ہو کر جماعت سے الگ ہوتا ہے اقبال اسے ایک ایسی ٹہنی سے تشبیہہ دیتا ہے جو خزاں کے موسم میں درخت سے ٹوٹ جائے۔ وہ سوکھ جاتی ہے اور پھر تاقیامت موسم بہار کے برستے ہوئے بادلوں سے ہری بھری نہیں ہو سکتی لیکن اگر وہ درخت کے ساتھ رہے تو جب بہار آئے گی وہ بھی پورے درخت کے ساتھ ہری بھری ہو جائے گی۔

ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ — ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے
ہے لازوال عہدِ خزاں اس کے واسطے — کچھ واسطہ نہیں ہے اسے برگ و بار سے

ہے تیرے گلستاں میں بھی فصلِ خزاں کا دَور — خالی ہے جیبِ گُل زرِ کامل عیار سے
جو نغمہ زن تھے خلوتِ اوراق میں طیور — رخصت ہوئے ترے شجرِ سایہ دار سے
شاخِ بریدہ سے سبق آموز ہو کہ تُو — نا آشنا ہے قاعدۂ روزگار سے

ملّت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ!

ارشادِ نبویؐ کی حکمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کہ جماعت کے ساتھ رہنا تم پر لازم ہے، جو جماعت سے الگ ہوا جہنم میں ڈالا گیا۔ (عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ) اس مضمون پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جماعت کے نظامِ ہستی کا دارومدار فرد پر ہے، اگر فرد نہ ہو تو جماعت بھی نہیں رہتی، لیکن فرد کی ہستی کا دارومدار بھی جماعت پر ہے۔ وہ جماعت کے وجود کا احساس کرنے کی وجہ سے اپنے وجود اور اپنی ممکنات کا احساس کرتا ہے۔ وہ جماعت کے اندر جماعت کے لیے اور جماعت کی وجہ سے زندہ رہتا اور کام کرتا ہے اور جماعت ہی کی وجہ سے اس کے مخفی کمالات آشکار ہوتے ہیں۔ جماعت کا آئین اس کی قوتوں میں اعتدال اور تحریک پیدا کرتا ہے اور جماعت میں داخل ہو کر وہ ایک نہیں رہتا، بلکہ جماعت بن جاتا ہے۔ جماعت کی قوت اس کی اپنی قوت ہو جاتی ہے۔ وہ ایک پھول سے چمن اور ایک قطرہ سے دریا بن جاتا ہے۔ لہٰذا جماعت کے اندر رہنا فرد کے لیے باعثِ رحمت ہے۔ جماعت اس کی مخفی قوتوں اور قابلیتوں کی تربیت کر کے ان کو کمال تک پہنچاتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ میل جول سے فرد پختہ ہوتا ہے، اس کی وحدت جماعت کی کثرت کے بالمقابل ہی نمایاں ہوتی ہے اور جماعت کی کثرت اس کی وحدت کے اندر سمٹ کر وحدت بن جاتی ہے۔ فرد جماعت سے احترام اور وقار حاصل کرتا ہے، لہٰذا جہاں تک ممکن ہو فرد کو جماعت کے اندر رہنا چاہیے، اس سے تعاون کرنا چاہیے اور اس کے کاروبار کی رونق کو بڑھانا چاہیے۔

فرد را ربطِ جماعت رحمت است — جوہرِ اُو را کمال از ملّت است
پختہ تر از گرمیٔ صحبت شود — تا بمعنی فردہم ملّت شود

آئینہ یک دیگر

فرد اور جماعت دونوں ایک دوسرے کا آئینہ ہیں، دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے اخلاقی اور ثقافتی معیار کا پتہ دیتا ہے۔ فرد اور جماعت کا باہمی تعلق ایسا ہی ہے جیسے ایک ایک موتی کا موتیوں کی لڑی سے یا ایک ایک ستارے کا کہکشاں سے۔ اگر ہر ایک موتی الگ موجود نہ ہو تو موتیوں کی لڑی کہاں سے آئے اور اگر ہر ایک ستارہ اپنا الگ وجود نہ رکھتا ہو تو کہکشاں کا وجود بھی نہ ہو۔ فرد جب جماعت میں گم ہوتا ہے تو ایک قطرہ سے سمندر بن جاتا ہے۔ جماعت کی وجہ سے اس کے دل میں جدوجہد کرنے اور ترقی کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور وہ جماعت ہی کی ضروریات کی روشنی میں یہ دیکھتا ہے کہ اس نے کیا کیا ہے اور کیا نہیں کیا، اسے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ جماعت کی امیدوں اور آرزوؤں میں شریک ہونا ایسا ہے جیسے کہ زمزم کا صحت بخش پانی پینا۔ جو شخص جماعت کی امیدوں اور آرزوؤں سے حصّہ نہیں لیتا وہ اپنے اندر جدوجہد کرنے اور بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کرنے کا کوئی جوش وخروش محسوس نہیں کرسکتا۔ اس کے نغموں کی گرمی اس کی بانسری کے اندر ہی سرد ہو جاتی ہے، اس کی قابلیتوں کا پھول کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جاتا ہے۔ اکیلا فرد اپنی زندگی کے مقاصد سے بے خبر رہتا ہے اور اس کے عمل کی قوتیں منتشر ہو کر ضائع ہو جاتی ہیں۔ یہ قوم ہی ہے جو اسے ایک نظم یا ضبط کے ماتحت اور قوم کے مشترک نصب العین کے لیے کام کرنا سکھاتی ہے اور اس کی حرکتِ عمل کی سمت معین کر کے اس کے لیے ممکن بناتی ہے کہ وہ بادِ صبا کی طرح ایک مضبوط اور دھیمی رفتار سے چل سکے۔ یہ صحیح ہے کہ جماعت میں رہ کر اسے جماعت کے قانون کا پابند ہونا پڑتا ہے لیکن چونکہ یہ پابندی اسے ایسے کاموں سے روکتی ہے جو اس کے اپنے کمالات کی آشکارائی کے لیے مضر ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ پابندی اس کی اصلی فطرت کو مقید نہیں کرتی بلکہ آزاد کرتی ہے۔ اس پابندی کی وجہ سے وہ شمشاد کی طرح چمن میں آزاد بھی ہوتا ہے اور پا بگل بھی۔

فرد و قوم آئینہ یک دیگر اند — سِلک و گوہر کہکشاں و اختر اند
فرد تا اندر جماعت گم شود — قطرۂ وسعت طلب قلزم شود
مایہ دارِ سیرتِ دیرینہ اُو — رفتہ و آئندہ را آئینہ اُو
پیکرش از قوم و ہم جانش زقوم — ظاہرش از قوم و پنہانش زقوم

درِ دلش ذوقِ نمو از ملّت است ۔۔ احتساب کارِ او از ملّت است
ہر کہ آب از زمزم ملّت نخورد ۔۔ شعلہ ہائے نغمہ در عودش فسرد
فردِ تنہا از مقاصد غافل است ۔۔ قوتش آشفتگی را مائل است
قوم باضبط آشنا گرداندش ۔۔ نرم روشل صبا گرداندش
پا بہ گل مانندِ شمشادش کند ۔۔ دست و پابند و کہ آزادش کند
چوں اسیرِ حلقۂ آئیں شود ۔۔ آہوئے رم خوئے او مشکیں شود

جماعت آفرینی کا جذبہ

انسان کی خودی یک شناس ہے' وہ صرف خدا کو چاہتی ہے جو ایک ہے اور جب ایسا ہے کہ وہ خدا کو نہیں پہچانتی اور غلطی سے اس کے کسی قائم مقام تصور کو چاہتی ہے تو وہ بھی ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں دو نصب العینوں یا دو معبودوں کی محبت کے لیے گنجائش نہیں۔ محبّت کرنا دل کا کام ہے لیکن جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے' خدا نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل پیدا نہیں کیے (مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ)[1] جب دل ایک ہے تو معبود بھی ایک ہی ہو سکتا ہے۔ یک شناس فطرت رکھنے کے باوجود خودی کے جذبۂ محبّت کا ایک زبردست تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب کے چاہنے والوں کی ایک جماعت میں رہے۔ پھر اس کی محبت کا تقاضا صرف یہی نہیں کہ جب جماعت موجود ہو تو وہ جماعت میں رہے' بلکہ یہ بھی ہے کہ جب جماعت موجود نہ ہو تو وہ اپنے نصب العین کی تبلیغ کر کے دوسروں کو اس کا معتقد بنائے اور اپنے ہم خیال لوگوں کی ایک جماعت پیدا کرے' اور پھر متواتر اس کی توسیع اور ترقی کے لیے کوشش کرتا رہے یہاں تک کہ پوری نوعِ انسانی اس جماعت میں شامل ہو جائے۔

بخلوت انجمنے آفریں کہ فطرتِ عشق
یکے شناس و تماشا پسند و بسیاری است

یہی وجہ ہے کہ ہر ریاست اپنے اطلاعاتی' مطبوعاتی اور نشریاتی مشروعات کے ذریعے سے دنیا بھر

---

[1] سورۃ الاحزاب' آیت ۴

(باقی صفحہ ۳۰ پر)